محمد حنیف ندوی

تأثرات

لوئی میسینو کی موت نے علم واستشراق کے سنجیدہ حصوں میں غم واندوہ کی ایک لہر دوڑا دی ہے ہنری ماسی کے الفاظ میں ان کی موت سے عالم اسلامی میں ایک ہمدرد اور یگانہ روزگار فاضل کی جگہ خالی ہوگئی ہے جس نے عمر بھر تصوف کی خدمت کی ہے۔ فرانسو موریاک کی رائے میں ان کی موت کے معنی یہ ہیں کہ علم وثقافت کی صفوں سے ایک ایسا انسان اٹھ گیا ہے کہ جس نے نہ صرف اسلام کے متصوفانہ خدوخال کو اچھی طرح اجاگر کیا ہے بلکہ جہاں تک عمل وسیرت کا تعلق ہے محبت واخلاص کی روشنی سے اپنے قلب وذہن کو بھی مستنیر رکھنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی۔ رحیس بلاشیر نے ان الفاظ میں اظہار تعزیت کیا ہے کہ آنجہانی کلاسیکی تہذیب کے حامل تھے۔ ان کے علم وفضل کے کیا کہنے کئی زبانوں پر انھیں عبور حاصل تھا۔ چنانچہ لاطینی میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔ یونانی کے ماہر تھے۔ عبرانی کے فاضل تھے اور عربی علوم ومعارف تو ان کا مخصوص میدان تھا۔ یہ اگرچہ عیسائی تھے مگر ان کے متصوفانہ مزاج میں یہودیت عیسائیت اور اسلام اس طرح گھل مل گئے تھے کہ کہیں بھی اجنبیت کا شبہ نہیں ہوتا تھا۔

روجیہ بارہیہ نے میسینوں کی خدمات سے متعلق ان الفاظ میں خراجِ تحسین ادا کیا ہے کہ ان کا تعلق اگرچہ بظاہر صرف اسلام اور اس کی ایک شاخ تصوف سے ہے مگر ان کی وسعتوں کو دیکھئے تو اس میں قرونِ وسطیٰ کی ساری روحانی واجتماعی تاریخ سمٹ آتی ہے۔

بلاشبہ لوئس میسینو اونچے پائے کے مستشرق تھے اور ان کی موت سے فی الحقیقت ہم ایک ایسے محقق، اور وسیع المطالعہ شخصیت سے محروم ہو گئے ہیں کہ جس نے عمر بھر تصوف کے اسرار ورموز کو سلجھانے کی بھرپور کوشش کی ہے۔

"حلاج اور ان کی کتاب الطواسین" ان کی کاوش فکر و تحقیق کا وہ شاہکار ہے جو ہمیشہ زندہ رہے گا۔ اس سلسلہ میں انھوں نے جس محنت جس خلوص اور توازن کا ثبوت دیا ہے وہ انھیں کا حصہ ہے۔ کیا حلاج ایک شعبدہ طراز ملحد اور زندیق تھا جس نے تصوف کے بھیس میں اپنے مخصوص خیالات و افکار کو پھیلانا چاہا۔ یا وہ دوسرے اصحاب معرفت کی طرح سچا صوفی تھا کہ جس نے زہد و ریاضت سے قرب و محبت کے بلند ترین فرازوں کو چھو لیا تھا۔ اور اس کے نعرۂ انا الحق کی حیثیت ایک مجذوبانہ کیفیت سے زیادہ نہ تھی۔ یعنی یہ نعرۂ مستانہ کچھ اسی قبیل کی شے تھی جسے اصطلاح میں شطحیات کہا جاتا ہے۔

یہ سوال خاصہ متنازع فیہ ہے۔ صدیوں سے اس مسئلہ پر اختلاف رائے چلا آرہا ہے۔ فقہا اور اہل علم کی بہت بڑی اور لائق احترام تعداد حلاج کو گمراہ سمجھتی ہے۔ یہی نہیں بعض کا تو دعوی ہے کہ اس کے بارہ میں ابن داؤد ظاہری نے جو فتوی کفر دیا تھا وہ درست تھا اور تیسری صدی ہجری تک اہل علم کے حلقوں میں اس سے متعلق قطعاً اختلاف رائے پایا نہیں جاتا تھا۔

مخالفین کی طرح حلاج کے حامیوں اور معتقدوں کی بھی کمی نہیں کہ جو اسے سرخیل عرفا سمجھتے ہیں۔ اس فہرست میں بھی ایسے ایسے جلیل القدر لوگوں کے نام دیکھنے میں آتے ہیں کہ جن کی عظمت علم و کردار اور رفعت مرتبت فتوی کفر کی تصدیق سے قطعی مانع ہے۔

مستشرقین کے حلقوں میں بھی اس کے متعلق حیرت انگیز اختلاف رائے رونما ہے۔ مولر اور ڈی ہربلاٹ کھلے بندوں اسے عیسائی خیال کرتے ہیں، رسیک کے نقطۂ نظر سے یہ ملحد تھا اور تھالوک کی رائے میں یہ صوفی سے زیادہ ایک چالباز اور سازشی انسان تھا۔ میسینو آنجہانی نے اس سلسلہ میں جن نکات کی توضیح کی وہ یہ تھے۔

(۱) کہ حلاج بنیادی طور پر ایک صوفی اور عارف تھا اور اس کا

(۲) نعرہ انا الحق، صرف نعرۂ مستانہ یا شطحیات کی قسم کی کوئی چیز نہ تھا۔ بلکہ اس کے پیچھے ایک منظم فکر، ایک مخصوص فلسفہ اور تصور کار فرما تھا۔

(۳) اس فکر و تصور کو جس کو کہ حلاج نے انا الحق کی صورت میں پیش کیا ہم اتحاد و حلول سے تعبیر کر سکتے ہیں۔

یعنی "حلاج" کی رائے میں زہد و ریاضت سے ادراک و معرفت کا ایک ایسا مقام بھی آتا ہے کہ جب انسانی "انا" واجب الوجود کی انا کا آئینہ قرار پاتی ہے۔ یا دوسرے لفظوں میں جب انسان کی شکل میں الوہیت جلوہ گر نظر آتی ہے۔

(۴) یہ غلط ہے کہ تیسری صدی تک اہل علم حلاج کے کفر پر متفق تھے کیونکہ تاریخ کے صفحات میں ابن عطا ایسے فقیہہ نے اس سے واضح طور پر مختلف رائے کا اظہار کیا۔ اور بتایا کہ تصوف و عرفان کی باتوں کو فقہی پیمانوں سے پرکھنا جائز نہیں۔

جہاں تک اول اور ثانی الذکر تصریحات کا تعلق ہے میسینو کی تحقیق سے اتفاق کیے بغیر چارہ نہیں۔ حلاج کی کتاب الطواسین ہی سے ثابت ہوتا ہے کہ الٰہیات کے بارہ میں وہ اپنے مخصوص افکار رکھتا تھا۔ اور ان مخصوص افکار کی تبلیغ و دعوت کے لیے اس میں والہانہ جوش اور ولولہ بھی پایا جاتا تھا۔ پھر جس شجاعانہ انداز سے اس نے دار و رسن کی روایات کو نباہا ہے اور جس طرح بغیر کسی فقیہانہ تاویل کے موت کا خیر مقدم کیا ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ "انا الحق" صرف ایک نعرہ نہیں تھا بلکہ اس میں ایک عقیدہ اور فلسفۂ حیات پنہاں تھا۔ ظاہر ہے ایک مکّار اور چالباز آدمی اس جیالے پن کا ثبوت نہیں دے سکتا۔

تیسرے نقطہ سے متعلق ہم صرف یہ کہنا چاہتے ہیں کہ میسینو اور نکلسن وغیرہ مستشرقین کو اس معاملہ میں دھوکہ ہوا ہے۔ ہمارے ہاں جن صوفیا نے وحدت الوجود کے اس غالیانہ تصور کو اپنایا ہے کہ ازتقاء روحانی کے ایک خاص مرحلہ میں وجوب و امکان کی حدبندیاں یکسر ٹوٹ جاتی ہیں، ان کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ تجلی و تدلی کی اس کیفیت کو دوام و ثبات حاصل ہے اور یہ کہ ان دونوں میں فرق و امتیاز کے خطوط مٹ جاتے ہیں۔ بلکہ اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ کبھی کبھی ذات واجب کی تجلیات رحم و کرم میں اس درجہ وفور ہوتا ہے کہ عارف اپنے کو اس تجلی کے آغوش میں محسوس کرتا ہے۔ لیکن اس طرح کہ عبودیت اپنے دائرۂ بندگی میں رہتی ہے اور ذات واجب اپنے حدود الوہیت میں۔ و

بینھما برزخ لا یبغیان۔

انا الحق کو ہم بھی شطحیات میں نہیں گردانتے۔ بلکہ یہ سمجھتے ہیں کہ حلاج نے محض اس مرحلۂ اتصال کی خبر دی ہے جہاں اس نے ذاتِ واجب کے جود و فیضان کی بے پناہیوں کو محسوس کیا اور دیکھا ہے کہ اس کی محدود اور سمٹی ہوئی انا میں فکر و تعمق کی جتنی گہرائیاں بھی ہیں۔ ان میں کوئی بھی اس کی اپنی نہیں بلکہ سب حق سبحانہ ہی کے رحم و کرم کا نتیجہ ہیں۔ یہی وجہ ہے اس نے " انا الحق " کہا۔ " الحق انا " نہیں کہا۔ ہم صوفیا کے اس طرزِ فکر، اور اندازِ تکلم سے متفق نہیں کیونکہ یہ اس صاف ستھری توحید سے قطعی انحراف کے مترادف ہے کہ جس کو پیش کر کے اسلام نے فکر و عقیدہ کی بہت سی گتھیوں کو سلجھایا تھا۔ تاہم اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ ان لوگوں کے ذوق و حال کی مجبوریوں کو کفر پر محمول کیا جائے کہ جن کی وجہ سے اہلِ دل کو خاص طرح کی دینی بصیرت حاصل ہوئی ہے اور خواہ مخواہ ان کے اقوال و کلمات کی ایسی تشریح کی جائے کہ جو ان کو بیک جنبشِ قلم سینٹ پال کے پہلو میں جا کھڑا کرے۔ نقطۂ نظر کے اس اختلاف کے باوجود ہم کہیں گے کہ میسینو نے بڑی حد تک اسلامی روح کو اپنانے کی کوشش کی ہے اور اس کے اشتغال سے حقیقۃً استشراق کی اونچی روایات کو گزند پہنچا ہے۔